حکومت سے قرض لینے کے مسئلہ کا ایک فقہی جائزہ

از: مولوی محمد برہان الدین سنبھلی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مورخہ ۵،۱ مئی ۱۹۷۱ء کو مجلس تحقیقاتِ شرعیہ ندوۃ العلماء کے اجلاس کی پہلی نشست میں یہ "مقالہ" پڑھا گیا جسے جزوی ترمیموں کے بعد، بسم اللہ، خیر مقدمی کلمات، تمہیدی جملوں اور مجلس کی مختصر سرگذشت سے متعلق بعض حصوں کو حذف کرکے یہاں پیش کیا جا رہا ہے، اس کی اشاعت کی ایک غرض یہ ہے کہ علماء غور و فکر کرکے اس مسئلہ کا حل پیش کریں۔ جو یہاں ہندوستان میں خاص طور سے مسلمانوں کی گویا موت و زلیست کا مسئلہ بن گیا ہے۔ اس میں سوچنے کی کچھ بنیادیں فراہم کر دی گئی ہیں، اور جو الجھنیں ہیں انہیں بھی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مدت کے بعد آج پھر اس کا موقع ملا کہ خیارِ امت جمع ہوں اور نخبۂ علماء اکٹھا ہو کر زمانہ کے اس چیلنج کا مقابلہ کریں جو آج تمام مذاہب بالخصوص اسلام کو درپیش ہے یعنی عصری مسائل کا حل پیش کرکے عملی شہادت دی جائے کہ اسلام "دینِ خالد" ہے اور "ہر زمانہ" میں رہنمائی کرنے کی اس میں صلاحیت موجود ہے۔

مرسلہ سوالنامہ[1] کے ذریعہ آج کی مجلس کا موضوع بحث (حکومت سے سود پر قرض لینے کا

---

[1] ارکانِ مجلس" کی خدمت میں پہلے ایک سوالنامہ بھیجا گیا تھا، اس میں مسئلہ کے (باقی ص ۱۶۹ پر دیکھئے)

مسئلہ) تو معلوم ہی ہو چکا ہے۔ موضوع کی نزاکت و اہمیت کے بارے میں آپ جیسے ذی علم اور باخبر حضرات کے سامنے کچھ کہنا، سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ اسی طرح "ربو" کی شناعت اور عام مسلمانوں کی فلاکت بھی محتاج بیاں نہیں۔

تاہم چند معروضات، جن کی حیثیت سوالنامہ کے اشارات کی توضیح اور اسی میں اٹھائے گئے مباحث کی تشریح کی ہے۔ اسی کے ساتھ ہی اپنے محدود مطالعہ پر مبنی کچھ خیالات سوالیہ انداز میں، اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی جسارت کروں گا اور اس کے لئے باادب اجازت چاہوں گا!

موقر حضرات! زیر بحث مسئلہ اس اعتبار سے نازک تر بن گیا ہے کہ ایک طرف تو یہ بات ہے کہ حکومت سے قرض لینے کے معنی بظاہر سود کا معاملہ کرنے اور "ربو" کے جرم میں ملوث ہونے کے ہیں۔ کیوں کہ عام طور کتب فقہ میں "ربو" کی جو تعریفیں کی گئی ہیں وہ اس معاملہ پر بظاہر صادق آتی نظر آرہی ہیں۔ مثلاً علامہ برہان الدینؒ مرغینانی نے "ربو" کی تعریف اس طرح کی ہے:-

هو الفضل المستحق لاحد المتعاقدين فى المعاوضة الخالى عن عوض شرط فيه[1]

عنایہ شرح ھدایہ میں اکمل الدین محمد البابرتی نے ان الفاظ میں تعریف "ربو" بیان کی ہے:-

هو الفضل الخالى عن العوض المشروط[2]

(باقی ص۱۶۸ کا) پہلوؤں کو نمایاں کر دیا گیا تھا تاکہ غور کرنے میں آسانی ہو۔ لیکن اس "جائزہ" سے ہی قارئین کو سوالنامہ میں اٹھائے گئے سوالات کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ اس طرح سوالنامہ نہ پڑھنے کی فی الجملہ تلافی ہو جائے گی اور ایک حد تک اس کے مشتملات کا علم بھی ہو جائے گا، انشاء اللہ تعالےٰ

[1] ھدایہ ثالث ص۶۱ [2] عنایہ برحاشیہ فتح ص۲۷۴، ۵

ان کے علاوہ دیگر کتبِ معتبرہ میں اس کا حکم جس سے ربوٰ کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے بایں الفاظ بیان ہوا ہے:

كل قرض جر نفعا حرام إذا كان مشروطا [1]

ربوٰ کی ملعونیت اور عند اللہ اس کی مغضوبیت، ایک اظہر من الشمس حقیقت ہے۔

۳۔ بہر زیادہ بھیانک بات اور کیا ہوگی؟ کہ سود لینا، اللہ تعالیٰ سے گویا جنگ کرنے کے مساوی بتایا گیا اور اس معاملے کے بارے میں قرآن مجید میں وہ آیت نازل ہوئی جسے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ (بجا طور پر مسلمانوں کے لئے) شدید تر اور نہایت خوفناک آیت کہا کرتے تھے جیسا کہ تفسیر مدارک میں ہے:

كان أبو حنيفة يقول هي أخوف آية في القرآن حيث أوعد الله المؤمنين بالنار المعدة للكافرين إن لم يتقوه [2]

نیز احادیث مقدسہ (علی صاحبہا التحیۃ) میں محض "ربوٰ" ہی نہیں، اس کے شبہہ تک سے بچنے کی ہدایات کی گئی ہیں چنانچہ قانون شریعت کے اندر مذکورہ اسباب کی بنا پر ... ان الفاظ میں ایک مستقل اصل قرار پائی "شبهة الربا مانعة كحقيقة الربوٰ"

محقق ابن ہمام نے اس پر "بالاجماع على منع بيع الاموال الربوية مجازفة ... التساوي [3]" کا اضافہ کرکے جہاں یہ بتایا کہ احتمالِ ربوٰ رکھنے والی بیع بالاتفاق ممنوع ہے وہاں اندازہ ہوتا ہے کہ اس حقیقت کو بھی بے نقاب کرنا چاہا ہے کہ صرف احناف کے یہاں ہی نہیں بلکہ تمام مکاتبِ فقہ میں یہ تسلیم شدہ اصل ہے، قواعد شریعت کو سامنے رکھنے کے بعد فقہاء

---

[1] الاشباہ بحوالہ درمختار و شامی ص ۱۷۴ ج ۴ [2] مدارک برحاشیہ خازن ص ۲۲۶ ج ۱

[3] فتح القدیر ص ۲۸۰ ج ۵

کرام رحمہم اللہ کے بیان کردہ جزئیات دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات نے کس درجہ اس کا اہتمام کیا ہے کہ معاملات میں "ربوٰ" کا شائبہ بھی نہ آنے پائے، یہاں ان جزئیات کا استیعاب مقصود نہیں اور نہ یہ کام آسان ہی ہے۔ مگر بات کو واضح کرنے کے لئے ایک دو مثالوں کا پیش کر دینا شاید بے محل نہ ہوگا۔

حنفی فقہ کی شہرہ آفاق کتاب "ردالمحتار" کے اندر "شراء الشئ الیسیر بثمن غالٍ لحاجة القرض" کے بارے میں شمس الائمہ حلوانی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: "انہ حرام"۔[1]

صاحب درمختار نے ایک قابل تنفر اور نہایت ناپسندیدہ معاملہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "اقبح من ذلك السلم ان بعض القرى فقد خربت بهذا"۔ ابن عابدین نے اس مسئلہ کی تشریح بایں طور کی ہے: ما يفعله بعض الناس من دفع دراهم سلماً على حنطة او نحوها الى اهل القرى حيث يؤدى ذلك الى خراب القرية۔[2]

حالات زبوں شناخت اور اس کی سنگینی کا اندازہ کرنے کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ ممالک اسلامیہ میں غیر مسلموں کو بھی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے کہ وہ سودی لین دین آپس میں بھی کر سکیں۔ حالانکہ اس مسئلہ خاص کے علاوہ دیگر امور میں "دَعْهُمْ وَمَا يَدِينُوْنَ" کی پالیسی اختیار کی جاتی ہے۔

دوسری طرف مسلمانوں کی زبوں حالی اور ذلت و نکبت کی حد تک پہنچا ہوا ان کا افلاس ہے جسے دور کرنے کی بظاہر اس کے علاوہ اور کوئی سبیل نظر نہیں آتی کہ حکومت کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے، بلکہ یہ کہنا شاید زیادہ صحیح ہو کہ

ریاست — (جس کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام باشندوں کو ان کی ابتدائی ضروریات فراہم کرنے کا انتظام کرے) سے مدد لی جائے۔ بالفاظ دیگر اپنا حق مانگا جائے مگر اس مدد یا حق

---

[1] شامی ص ١٧٥ ج ٤ مطبوعہ نعمانیہ دیوبند۔ [2] ردالمحتار ص ١٧٦ ج ٤

کے وصول کرنے کی شکل اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے کہ امداد کے نام پہلی ہوئی رقم کو بھی مع شی مع من اثلہ (مقرر کی ہوئی شروط و شرح کے مطابق) واپس کیا جائے مگر یہی وہ صورت ہے جس پر "ربٰو" کا اطلاق ظاہری طور پر درست نظر آتا ہے جو بہرحال ایک مسلمان کے لئے نہایت قبیح بلکہ خبیث چیز ہے۔

یہی وہ گتھی ہے جسے سلجھانا ہے، کیوں کہ اس کے بغیر آج کل زندگی کی گاڑی کا چلنا دشوار بلکہ ناممکن نظر آرہا ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے بعض علما نے ـــ جن کے اخلاصِ نیت میں شبہہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ـــ فقہا کی ان عبارتوں کا سہارا لیا ہے جن سے بظاہر ناگوزیر قسم کی ضرورتوں میں اس نوع کے بعض معاملات کی گنجائش نظر آتی ہے۔

مثلاً ممتاز فقیہہ زین العابدین ابن نجیم المصری کی مشہور کتاب "الاشباہ والنظائر" کا نہایت معروف فقرہ "الضرورات تبیح المحظورات"[1] بار بار (بطور استدلال) پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح کتاب مذکور کی اس سے بھی زیادہ تعجب خیز صراحت "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"[2] اول وہلہ میں چونکا دینے والی ہے۔ اس سے استدلال کرکے موجودہ مسائل کے بارے میں رائے قائم کرنا مستبعد نہیں معلوم ہوتا لیکن تھوڑی دیر کے لئے اس بحث کو نظرانداز بھی کر دیا جائے کہ نصوصِ صریحہ کے مقابلہ میں کسی فرد یا جماعت کے اقوال کو اہمیت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ تب بھی امعانِ نظر سے کام لینے والا اور ان ہی عبارتوں کو جن سے بظاہر جواز معلوم ہو رہا ہے، سیاق وسباق سے ملاکر پڑھنے، نیز ان کے ساتھ دوسرے ماخذ پر نگاہ ڈال لینے کے بعد ان استدلالوں کی حقیقت "سراب" سے زیادہ نہیں رہ جاتی، ساتھ ہی یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ ان عبارتوں سے جو کچھ سمجھا جارہا ہے وہ ان کا حقیقی مفہوم نہیں ہے اور واقعۃً یہ نصوص سے معارض نہیں بلکہ ان کی شارح ہیں۔

---

[1] الاشباہ ص ۱۲۱ مطبع نولکشور۔ [2] ایضاً ص ۱۲۹

خلاً "الضرورات تبیح المحظورات" میں لفظ "الضرورات" کا مصداق معلوم ہو جانے کے بعد اس عبارت میں کوئی ندرت نہیں رہ جاتی۔ خود ابن نجیمؒ نے اس قاعدہ کی جو مثال پیش کی ہے اس سے ہی ان کا منشا سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ فرماتے ہیں: "ومن ثم جاز اکل المیتة عند المخمصة" [۱]

علاوہ ازیں اس کتاب کے شارح، ممتاز فقیہ سید احمدؒ الحموی نے "ضرورۃ" کی جو تعریف بیان کی ہے اس کے بعد کوئی الجھن باقی ہی نہیں رہتی۔ فرماتے ہیں:-

"فالضرورۃ بلوغہ حدا ان لم یتناول الممنوع ھلک او قارب وھذا یبیح تناول الحرام" [۲]

غور فرمائیے! مذکورہ عبارت کا مفہوم آیت قرآنی میں بیان کردہ حکم "فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ" سے کیا کچھ بھی مختلف ہے؟۔ ہاں! اس سے کمتر درجہ کی کچھ ضرورتوں کو یہی مقام دے کر ان کی بنا پر بھی بعض ممنوعات کے ارتکاب کی اجازت دے دی جاتی ہے۔

اصطلاح فقہ میں اس کو "حاجۃ" کا نام دیا گیا ہے: اشباہ" میں یہ لکھا ہے "الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ" [۳]

مگر "حاجۃ" کی جو تعریف فقہاء نے ذکر کی ہے اسے سامنے رکھا جائے تو زیر بحث موضوع پر استدلال کی گنجائش پھر بھی نظر نہیں آتی، حاجۃ کی صاحب درمختار نے کتاب الزکوۃ میں حسب ذیل تفسیر نقل کی ہے:

"ما یدفع عنہ الھلاک تحقیقا کثیابہ او تقدیرا کدینہ" اس کی مزید تشریح شامی فقیہ نے اس طرح کی ہے:- ھی ما یدفع الھلاک عن الانسان تحقیقا کالنفقۃ ودور السکنی

---

[۱] الاشباہ ص۱۲۱ [۲] الحموی علی الاشباہ ص۱۲۲ [۳] الاشباہ ص۱۲۹

وآلات الحروب والثياب المحتاج اليها لدفع الحر والبرد اوتقديرا كالدين فان المديون محتاج الى قضائه دفعا عن نفسه كالهلاك[1]

یہاں یہ وضاحت بھی غالباً بے معنی نہ ہوگی کہ "حاجۃ" کی مذکورہ تعریف، وجوب زکوۃ کے مواقع بیان کرتے ہوئے ذکر کی گئی ہے، جہاں نسبتہً سہولت اختیار کی جا سکتی ہے۔ لیکن "ربٰو" جو منہیات کے قبیل سے ہے اس میں سختی کچھ زیادہ ہی ہوگی۔ "لان اعتناء الشرع بالمنهيات اشد من اعتنائه بالمامورات ومن ثم جاز ترك الواجب دفعا للمشقة ولم يسامح فى الاقدام على المنهيات"[2]

ان امور کے بعد آگے بڑھنے سے پہلے حموی کے چند جملے اور سن لیجئے: "الحاجة كالجائع الذى لو لم يجد ما ياكله لم يهلك غير انه يكون فى جهد ومشقة وهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر فى الصوم"[3]

تو اب غور طلب بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کیا اس درجہ کو پہنچ گئی ہے جسے "ضرورۃ" یا کم از کم "حاجۃ" کا نام دیا جا سکے؟ یہی وہ کلید ہے جو اس قفل کو کھول سکتی ہے۔

اس موقعہ پر زمانۂ نبوت کے فقر و فاقہ، اور پیٹ پر پتھر باندھے جانے والے واقعات سے صرفِ نظر کر لینا بھی نامناسب نہ ہوگا، کیونکہ قرآن مجید۔ جس میں حرمت ربٰو کی آیتیں بھی ہیں اسی زمانہ میں نازل ہو رہا تھا مسلمانوں کا مدینہ طیبہ میں یہودی دولت مندوں اور مہاجنوں سے قریبی تعلق تھا، مگر کیا کبھی (بلا سودی قرضہ کے علاوہ) افلاس، اور فقتوں کے فاقوں کے علاج کے لئے سودی قرض کی بات سوچی بھی گئی ہے؟

---

[1] رد المحتار ص ۷ ج ۲ [2] حموی ص ۱۲۸

[3] حموی ص ۱۲۲

یہاں سودی قرض کے جواز کو "دارالحرب" کے مسئلہ کی آڑ لے کر بھی حل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مگر قطع نظر اس کے کہ آج کی کسی ریاست کو اصطلاحی دارالحرب کہنا ممکن بھی ہے یا نہیں، اور جواز و عدم جواز میں فقہاء کے کیا کیا اختلافات ہیں، نیز اس کی اباحت کے لئے کیا کیا شرطیں اور پابندیاں ہیں۔ اس مسئلہ کا سہارا لیتے ہوئے غالباً یہ بات فراموش کردی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو دارالحرب میں صرف سود لینے کی اجازت دی گئی ہے، سود دینے کی نہیں۔ جیسا کہ محقق ابن ہمامؒ نے دیگر فقہاء نے تصریح کی ہے، دیکھئے محقق فرماتے ہیں:۔

وقد التزم الاصحاب فی الدرس ان مرادهم من حل الربو والقمار ما اذا حصلت الزیادۃ للمسلم نظرا الی العلۃ[1] شامی فقیہ ابن عابدین رحمۃ اللہ نے سیر کبیر و دیگر کتب معتبرہ کے حوالہ سے اس امر کو پوری طرح منقح کر کے پیش کیا ہے اور ان جملوں پر اپنا کلام ختم کیا ہے:۔ فعلم ان المراد من الربو والقمار فی کلامهم ما کان علی هذا الوجه وان کان اللفظ عاما لان الحکم یدور مع علته غالبا[2]

ایک ضروری بات جس کی طرف حکیم الامۃ حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ دلائی ہے۔ اسے بیان کئے بغیر آگے بڑھنا شائد کتمان حق کے برابر سنگین چیز ہو۔

علوم اشرف کے گنج گراں مایہ "بوادر النوادر" (ص ۲۷۶) میں ہے۔

"آیات تحریم ربو میں ارشاد ہے۔ یایها الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰا ان کنتم مؤمنین۔ اور ظاہر ہے اس بقیہ ربا کا معاملہ جس وقت ہوا ہے، لینے دینے والے سب حربی تھے۔ تو اگر تحریم کے بعد حربی سے ایسا معاملہ جائز ہوتا تو تحریم کے قبل بدرجہ اولیٰ جائز ہوتا، اور وہ رقم حلال ہوتی تو اس کا ترک کرنا کیوں فرض ہے؟

---

[1] فتح القدیر ص ۳۰۱ ج ۵ [2] رد المحتار ص ۱۸۸ ج ۴ (مکتبہ نعمانیہ دیوبند)

حکومت سے سود پر قرض لینے کی گنجائش کے لئے، زیلعیؒ شارح کنز کے حسب ذیل قول کو بھی بطور دلیل استعمال کیا جانا مستبعد نہیں ہے، اور غالباً یہ آخری سہارا ہوگا جو اسی باب میں فقہاء کے کلام سے مل سکتا ہے، اور ایک درجہ میں مفید مطلب ہونے کا امکان متصور ہوتا ہے۔ زیلعیؒ کا قول ہے: "لا ربو بین متفاوضین وشریکی عنان اذا تبایعا من مالهما ای مال الشرکة" [1]

اس قول سے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ حکومت کے خزانہ میں جمع شدہ رقم گویا سب کی ملکیت ہے اس طرح تمام اہل ملک اس میں شریک ہیں۔ دریں صورت حکومت سے سودی لین، دین کا معاملہ کرنا، دو شریکوں کے درمیان معاملہ کرنے کے برابر ہوگا۔

لیکن اس استدلال کی حقیقت مغالطے سے زیادہ نہیں، کیوں کہ مالِ شرکت کے ذریعہ مشترک رأس المال میں کمی بیشی کرنا، (چاہے وہ کسی ایک شریک کی طرف منسوب ہی کیوں نہ ہو) درحقیقت کمی بیشی ہے ہی نہیں بلکہ شرکت کے مال کو اضافہ کے ساتھ واپس کرنا گویا اپنی ایک جیب سے نکال کر دوسری جیب میں رقم بڑھا کر رکھ دینے کے برابر ہے۔ ابن عابدینؒ کی تشریح کے بعد اس دلیل کے تار و پود بکھر جاتے ہیں، دیکھئے کیا فرماتے ہیں:

(قوله اذا تبایعا من مال الشرکة) الظاهر ان المراد اذا کان کل من البدلین من مال الشرکة، اما لو اشتری احدهما درهمین من مال الشرکة بدرهم من ماله ....هو عین الربو [2]

ہاں! بعض لوگ اس مسئلہ کے ایک اور پہلو کی نشاندہی کرتے ہیں، غور کرتے وقت اس پہلو کو بھی سامنے رکھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ممکن ہے کہ اس سے مسئلہ کو سمجھنے اور حل کرنے میں مدد ملے۔

---

[1] ردالمحتار ص ۳۰۰، ج ۴ (مکتبۂ نعمانیہ دیوبند)

[2] ردالمحتار ص ۳۰۰، ج ۴

وہ یہ کہ حکومت کی طرف سے اہلِ ملک کو دی جانے والی رقم (اس کا نام یا عنوان خواہ جو کچھ اختیار کیا جائے) کیا واقعی قرض ہے؟ اور پھر اس کی مع شئ زائد واپسی کیا قرض معہ سود ادائیگی ہے؟ یا وہ اصلاً امداد ہے، جسے مختلف مصالح کی بنا پر "قرض" کا نام دے دیا گیا ہے، واپسی کے وقت "انٹرسٹ" کے نام سے معمولی اضافہ کی شرط بھی مصلحتاً ہی لگا دی گئی ہے، مثلاً ایک مصلحت یہ ہو سکتی ہے کہ محض "امداد" کے عنوان سے کسی کو کچھ دینا، نفسیاتی طور پر جو اثرات مرتب کرتا ہے قرض کے وہ اثرات نہیں ہوتے۔ اسی طرح امدادی رقم کی واپسی کے وقت برائے نام اضافہ کی شرط لگانے کا ایک سبب، بلا شدید ضرورت کے قرض لینے والوں کی حوصلہ شکنی کرنا ہو سکتا ہے، دوسرا سبب جو نسبتاً اہم ہے، اس سلسلہ کے اخراجات پورے کرنا ہوں کہ آج کل نظامہائے حکومت میں اہل ملک کو ضروریات زندگی فراہم کرنے بلکہ اب تو معیار زندگی بڑھانے کے لئے بھی قرضے دینا ریاست کی ذمہ داری اور اس کے اہم مقاصد میں داخل ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے نظم میں، اور اس سلسلہ میں دوسرے کاموں پر اخراجات کا ہونا، ناگزیر ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہ حکومت، نہ صرف انٹرسٹ کے نام سے وصول کی گئی رقم، بلکہ راس المال بھی دوسرے ضرورتمندوں کو امدادِ محض کے طور پر دیتی یا ان کو قرض دینے میں لگاتی، نیز دیگر رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کر دیتی ہے جس کا فائدہ اس "سود" دینے والے کو بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ پہنچتا ہے۔ اس طرح اس کی یہ زائد رقم گویا اسے واپس مل جاتی اور حق بحق دار رسید کی مثل صادق آ جاتی ہے۔

بہرحال اگر علمی و فقہی بنیادوں پر اس پہلو کا استوار کیا جانا، ممکن ہو اس طور پر کہ اس کے نتیجہ میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے نصاً یا اجتہاداً "ربٰو" کا جو مصداق معلوم ہوتا ہے، یہ صورت اس سے خارج ہو جائے تو نعما ولعمت!

یہاں اس گوشہ پر بھی نظر رہنی چاہئے کہ آج کل کے رائج اقتصادی نظام میں سود آب و ہوا کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے، اور اس کے اثرات سے زندگی کا کوئی شعبہ متاثر ہوئے بغیر نہیں،

رہ سکتا تو کیا اس ابتلائے عام کی بنار پر "عموم بلویٰ" جیسی دلیل بھی کارآمد ہوسکتی ہے؟

آخر میں حضرت تھانوی قدس سرہ — جن کی فقہی بصیرت اور دقتِ نظر مسلم ہے، ان کے الفاظ میں ایک اہم اصولی بات کا پیش کردینا مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس جیسے تمام مسائل حل کرتے وقت اس کو راہنما بنایا جاسکے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ضرورت عرفی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تحصیل منفعت، خواہ دینی ہو یا دنیوی، خواہ اپنی یا غیر کی؛ دوسری دفع مضرت، اسی تعمیم کے ساتھ، سو تحصیلِ منفعت کے لئے ایسے افعال کی اجازت نہیں۔ مثلاً محض تحصیل قوت ولذت کے لئے دوائے حرام کا استعمال — اور دفع مضرت کے لئے اجازت ہے۔ جب کہ وہ قواعد صحیحہ منصوصہ، یا اجتہادیہ سے معتد بہا ہو۔ اور شرعی ضرورت یہی ہے۔ مثلاً دفع مرض کے لئے دوائے حرام کا استعمال جب کہ دوسری دوا کا نافع نہ ہونا تجربہ سے ثابت ہوگیا ہو کیوں کہ بدوں اس کے ضرورت ہی کا تحقق نہیں ہوتا

(بوادر النوادر صـ۷۹۶)

حضرات! ان معروضات کے بعد آپ سے توقع ہے کہ فیصلہ کن راہنمائی فرمائیں گے، اور شکریہ کا موقعہ دیں گے۔

"تفسیر ماجد" از مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

یہ تفسیر عصر جدید کے تعلیم یافتہ اور نوجوان مسلمانوں کے لئے جو نئے افکار کی پریشان خاطری اور پراگندہ ذہنی کا شکار ہیں۔ ان کے لئے اس تفسیر میں بہت کچھ سامان راحت وتسکین ہے۔

جلد اول سورۂ فاتحہ سے سورہ آل عمران تک ہدیہ ۱۸ روپے

جلد دوم سورۃ النسار سے سورہ توبہ تک ہدیہ ۱۵ روپے

مکتبہ برہان - جامع مسجد دہلی-۶